© rasailojaraid.com

از ڈاکٹر عبدالعظیم محمود الدیب ؎

مترجم: مولوی عبدالرزاق ندوی ؎

مغربی تحقیقات کا نہج و اسلوب

اسلام کی تحقیر و تذلیل یورپین فکر و سوچ کا اساسی جز بن چکی ہے

خیال تھا کہ مستشرقین کے بارے میں اس قدر لکھا جا چکا ہے کہ ہمیں ان کے معاملہ میں مزید دماغ سوزی اور تحقیق کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے کیونکہ ان کی بحث و تحقیق اور علمی کد و کاوش اور اسلام اور اسلامی تاریخ و تہذیب پر ان کے اعتراضات کی قلعی پوری طرح کھولی جا چکی ہے اس لیے مسلمان فضلاء و مفکرین کی بحث و تحقیق کا دائرہ اسلامی افکار و مسائل ہی تک محدود رہے گا اور وہ یکسوئی کے ساتھ ملت اسلامیہ کی زبوں حالی، دینی، علمی فکری اور تہذیبی و اجتماعی انحطاط کی طرف خاطر خواہ توجہ دیں گے۔

مگر اس وقت علم و سائنس اور ٹیکنالوجی میں مغربی قوموں کی برتری کی وجہ سے جو نت نئے انکشافات اور حیرت انگیز ایجادات ہو رہے ہیں ان کی وجہ سے خود مسلمان دانشور بے دھڑک یہ کہنے لگے ہیں کہ "مستشرقین ہی نے ہماری قوم کو جہالت کی دلدل سے نکالا اور گمراہی و ضلالت سے بچایا ہے"۔ اس لیے جب کوئی اس پر تنقید کرتا ہے تو یہ لوگ نہایت برہمی ظاہر کرتے ہیں۔

مستشرقین اور مغربی علوم و افکار کی بالاتری کی یہ مدح سرائی اور اسلام، اسلامی تاریخ و تہذیب کے نقص و عدم کمال کا یہ اظہار چونکہ ہمارے ان بھائیوں کی جانب سے ہو رہا ہے جو ذہنی و فکری حیثیت سے مغربی طلسم کے اسیر اور اسکی ظاہری چمک دمک سے مرعوب ہیں، یہ لوگ گو ہماری ہی قوم و ملت کے فرزند ہیں، ہماری زبان بولتے ہیں۔ ان کے خط و خال بھی ہمارے ہی جیسے ہیں، لیکن ان کے دل ہم جیسے نہیں ہیں۔ وہ تہذیبی و ثقافتی طور پر ہم سے جدا ہو کر خارجی تہذیب کے آغوش میں جا چکے ہیں، اس لیے آئندہ سطور میں جو کچھ عرض کیا جاتے گا اس کا روئے سخن انہی فرزندانِ ملت کی طرف ہے۔

یہ واضح کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ "مستشرقین کے مسئلہ میں سر کھپانے اور انہیں برا بھلا کہنے میں ہم اپنی قوت و قابلیت اور وقت کو کیوں بلاوجہ صرف کر رہے ہیں، ہماری توانائی اور توجہ کی

؎ صدر شعبہ فقہ و اصول شریعت قطر یونیورسٹی ...... ؎ رفیق دار عرفات۔ رائے بریلی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصل مستحق تو خود ہماری ہی قوم و ملت ہے جو ہر قسم کے پیچیدہ مسائل اور گوناگوں مشکلات میں گرفتار ہے۔

دراصل سب سے بڑا المیہ ہمارے یہی مغرب زدہ لوگ ہیں جو بلا ضرورت اور بغیر سوچے سمجھے اپنی ہی قوم کے علوم و فنون اور اپنے ہی علمی ورثہ کو جو پورے طور پر مکمل و جامع ہے۔ تمسخر، استہزاء اور استخفاف کا ہدف بنا لیتے ہیں اس سے بھی خطرناک چیز ثقافتی دہشت گردی ہے جس میں یہ حضرات بڑی بے غیرتی اور ڈھٹائی سے مصروف ہیں اس کے لیے ان لوگوں نے "قدیم و جدید" ۔ تقلید و تجدید" ترقی و انحطاط، جمود و آزادی، تحفظ، روشن خیالی، نئی تہذیب و پرانی تہذیب جیسے الفاظ و مصطلحات ایجاد کرلی ہیں۔

اس بنا پر مستشرقین کے مقصد و منہج کی خرابی آشکارا کرنے کے لیے ہم مجبور ہیں ہم اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہیں کہ اس کی وجہ سے مغرب زدہ حضرات راہ راست پر آجائیں گے، یا ان کے دل و دماغ پر لگا ہوا زنگ صاف ہو جائے گا اور ان کی مرعوبیت ختم ہو جائے گی البتہ ہم کو تھوڑی بہت امید اپنے ان نوجوانوں اور فرزندوں سے ضرور ہے جو ابھی اپنی راہ و تلاش و جستجو میں سرگرداں ہیں، اپنی اس نئی نسل اور نوجوانوں کو اصل حقیقت سے واقف کرا دینا ضروری ہے تاکہ انہیں وہ لوگ دھوکہ نہ دے سکیں جو خنجر مغرب سے گھائل اور ان کا رمغرب کی طرف مائل ہیں جو گذشتہ ڈیڑھ صدی سے ہماری قوم کو پستی کی طرف دھکیلنے پر تلے ہوتے ہیں اگر اس امت کی بنیاد مضبوط و پائیدار نہ ہوتی اور اس میں اپنی ذاتی قوت و طاقت نہ ہوتی تو یہ بھی ان مغرب زدہ لوگوں کی طرح مسخ ہو چکی ہوتی۔ لیکن ارادہ الٰہی سے یہ امت ہر مسخ و بگاڑ سے محفوظ رہے گی آئندہ انشاء اللہ اس کا علم بلند ہوگا اور اس کا پیغام جو آسمانی ہے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں کے مطابق ہر سو عام ہوگا۔

مستشرقین کے اغراض و مقاصد

ایک اندازہ کے مطابق انیسویں صدی سے بیسویں صدی کے نصف تک کی مختصر مدت میں مستشرقین نے ساٹھ ہزار کتابیں لکھیں قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ یہ سارا اہتمام اور اتنی زیادہ کد و کاوش کس لیے کی گئی ہے؟ اسلام، تاریخ اسلام، عقائد اسلام، فرق اسلام، فقہ اسلام، نبی اسلام، اور دیگر اسلامی موضوعات پر اتنی بڑی تعداد میں کتابیں لکھنا کوئی معمولی اور آسان کام نہیں، سوال یہ ہے کہ آخر یہ ساری جد و جہد تگ و دو کیوں کی گئی اس کے صرف دو مقاصد ہیں۔

۱۔ پہلا مقصد یہ ہے کہ آفتاب اسلام کی ضیائے مبین سے مغربی ذہن و دماغ کو متاثر و مرعوب ہونے سے بچایا جائے، اسلام پر ایمان لا کر اس کا علمبردار اور سپاہی و مجاہد بننے سے روکا جائے، جیسا کہ اس سے قبل مصر، شام اور شمالی افریقہ و ہسپانیہ میں ہو چکا ہے کہ جب دین اسلام ان ممالک میں داخل ہوا تو وہاں کے عیسائی دین اسلام میں فوج در فوج داخل ہو کر دین حنیف کے داعی و حامی بن گئے تھے۔ علامہ محمود شاکر لکھتے ہیں:

"ایک عجیب انوکھی بات یہ پیش آئی کہ ان نو مسلم عیسائیوں نے اپنی مادری و ملکی زبان کو ترک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بکر کے عربی زبان کو اچھی طرح اپنا لیا اور اس سے بھی حیرت کن واقعہ یہ پیش آیا کہ ان نو مسلموں کی نسل سے بڑے بڑے علماء و فضلا اور علم و فن کے ایسے عبقری پیدا ہوتے جنھوں نے اپنی جان و مال اور تیغ و قلم سے دین اسلام کی حمایت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا۔"[1]

اسلام کو مسخ کرنے کا جذبہ ہی عیسائی علماء کو ہر وقت اسلام کے خلاف ریشہ دوانی میں مصروف و متحرک رکھتا ہے۔

۲۔ استشراق کا دوسرا مقصد مشرق سے واقفیت اور اس کا مطالعہ ہے وہ یہاں کی ہر چیز کو جاننے اور پرکھنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں تاکہ یہاں ان کے اثر و نفوذ میں اضافہ ہو، صدیوں عالم اسلام ان کے لیے خوف گھبراہٹ اور ہیبت کا بند قلعہ بنا رہا جس میں گھسنے کی ہمت مدتوں شکست خوردہ صلیبیوں کو نہیں ہوتی، ان سے جو جنگیں ہوئیں وہ سب اسلام کی فتح و فیروزمندی اور مسیحیت کی شکست فاش پر ختم ہوئیں۔ چنانچہ جب چھٹی صدی ہجری کی ابتداء میں خونخوار صلیبیوں نے عالم اسلام پر چڑھائی کی کوشش کی تھی تو دو صدیوں تک (۴۸۹-۶۹۰) برسرپیکار رہنے کے باوجود انہیں مغلوب و مقہور ہو کر راہ فرار اختیار کرنی پڑی تھی مگر اس کے بعد بھی وہ اسی مکر و تدبیر میں لگے رہے اور پسپائی اور ناکامی نے بھی ان کو اس جانب سے غافل نہیں رکھا۔ صلیبیوں کو اپنے منصوبے کی تکمیل میں مستشرقین سے کافی مدد ملی۔

مستشرقین کی زندگی اسی جہاد اکبر کے لیے وقف رہی اور انھوں نے ایسے وقت بھی اپنے لیے گمنامی اور افلاس کی زندگی کو اختیار کرنا پسند کیا جب پورے یورپ میں دولت و ثروت اور عزت و شہرت کے اسباب پیدا ہو گئے تھے مگر گوشۂ عزلت میں بیٹھ کر انھوں نے اپنے آپ کو ان بوسیدہ کتابوں کے انبار میں مقید و محبوس کر لیا تھا جو اجنبی زبانوں میں لکھی گئی تھیں۔ اس وقت ان کے دلوں میں حقد و حسد اور نفرت و عداوت کے وہی شعلے بھڑک رہے تھے جو قسطنطنیہ کے آغوش اسلام میں آجانے کے نتیجے میں پورے یورپ میں بھڑک رہے تھے۔[2]

مستشرقین ہی میں سے کچھ لوگوں نے عالم اسلام کے گذشتہ حوادث و واقعات کی روشنی میں مستقبل کے اندیشوں کو بھانپ لیا تھا، وہ علماء و عوام دونوں کے عادات و اطوار، طریقۂ زندگی اور انداز فکر وغیرہ سے اچھی طرح واقف ہو گئے تھے، کرۂ ارض میں پھیلے ہوئے اسلامی ممالک کے بارے میں مستند معلومات بھی ان کے ریکارڈ میں آگئیں تھیں، جن کا وہ باقاعدہ اور بغور مطالعہ کرتے تھے اس لیے مستشرقین کو اپنی قوم کے علماء و ماہرین سیاست سے لے کر عام لوگوں کا بھی پورا اعتماد حاصل تھا وہ جو کچھ بھی لکھتے یا کہتے اسے پوری قوم تسلیم کر لیتی تھی، مستشرقین کی اس باخبری اور تجربہ و واقفیت نے آئندہ جنگ میں ان کی پوری رہنمائی کی اس لیے

---

[1] محمود محمد شاکر "رسالۃ فی الطریق الی ثقافتنا" ص ۵۰

[2] محمود محمد شاکر "رسالۃ فی الطریق الی ثقافتنا" ص ۴۳، ۴۰، ۴۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے گوشہ گوشہ میں گونج رہے ہیں اور اسے اس کے مقابلہ کے لیے مل کر اٹھ کھڑے ہونے کی دعوت دے رہے ہیں" کتاب کے ناشر لکھتے ہیں " یہ کتاب شعلہ کی طرح بھڑکتے ہوئے اس خطرہ کو آشکارا کرتی ہے جس سے یورپ کا انسان بڑی سادگی و بے پرواہی سے گزر جاتا ہے اور اس کی طرف توجہ نہیں کرتا کہ اب اہل اسلام مغرب کی دشمنی میں مغرب سے مقابلہ کے لیے مجتمع ہو رہے ہیں' یہ کتاب ایک دعوت ہے' ایک انتباہ ہے جسے صرف مغرب کے مفاد و مصالح کے لیے مقبول عام و خاص ہونا چاہیے"[1]

اسی معنی و مفہوم کو " مسٹر البرشامیڈر " نے اپنی کتاب " حمراء غرناطہ " میں دہرایا ہے، غرناطہ میں اسلامی آثار کی عظمت و شوکت کو بیان کرنے کے بعد موصوف لکھتے ہیں، " اس میں کوئی شک نہیں کہ ذہین اور بہادر عرب سو سال کے اندر دنیا کے علم و فن کو جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے، اسی کے ساتھ ہی انھوں نے اسی عرصہ میں نصف عالم کو بھی فتح کر لیا اور اپنے علم و فن کے آثار ہمارے لیے غرناطہ میں چھوڑ گئے، بے شک عرب جو صدیوں تک خواب غفلت میں پڑے رہے، اب اچانک پھر بیدار ہو گئے ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ کس دن پورا یورپ عربوں کی زد میں آجائے " آگے پھر لکھتے ہیں کہ " میں نبوت کا دعویٰ تو نہیں کرتا لیکن بہت سے دلائل و قرائن ایسے موجود ہیں جو ان احتمالات کو یقین میں تبدیل کر دینے والے ہیں اگر واقعی ایسا ہوا تو پھر ان کے بلاخیز طوفان کو ایٹم روک سکتا ہے نہ راکٹ۔

اس کے بعد فاضل مصنف نے بڑے پر زور انداز میں یہ اپیل کی ہے کہ " حمراء سے عربوں کے نام و نشان تک مٹا ڈالو، ان کے بیدار ہونے سے پہلے ہی ان کو نیست و نابود کر دو، آخر میں بڑی حسرت سے کہتے ہیں کہ کاش ہم ایسا کر سکتے"

یہ مقاصد و اغراض خود مستشرقین کے بیان کردہ ہیں جن کے بعد بھی ہماری ملت کے سادہ لوح حضرات انکی اور ان کی تحقیقات کی تعریف میں اس طرح رطب اللسان ہیں کہ یہ خالص علمی و فکری و غیر جانبدارانہ ہوتی ہیں، اور وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ پھر ان کی تعریف و توصیف میں کتابیں اور مقالات بھی لکھتے رہتے ہیں' ہماری نئی نسل کو بھی وہ اسی کی تلقین کرتے رہتے ہیں اس موقع پر مسٹر رجا جارودی کا ایک بیان نقل کرنا نامناسب نہ ہوگا وہ ایک عظیم فلسفی' مذہب وجودی کے رہنما، سارتر کے سحر و فسوں کے مفسر اور کمیونسٹ پارٹی کی قیادت کے امیدوار تھے۔ فرماتے ہیں کہ " ابتداء ہی سے استشراقی تحریک پاکدامن و غیر جانبدار نہیں تھی اس کا اصل مقصد اس منصوبہ و سکیم کو نافذ کرنا تھا جس کی بدولت زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو نصرانیت میں داخل کر دیا جاتے"[2]

---

[1] ڈاکٹر محمد البہی کے مقدمہ صدا سے ماخوذ ہے۔

[2] مبشرات الاسلام از رسالہ " الامۃ " عدد ۲۴ ص۲۳ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یورپ کے غلبہ و تسلط کا راستہ انہیں نے ہموار کیا۔ اس کی تائید حوادث و وقائع اور اہل صلیب و عالم اسلام کے مابین ہونے والی کشمکش و آویزش کے مختلف ادوار و مراحل کو دیکھتے ہوئے اور ماضی بعید و ماضی قریب کی تاریخ کے ارشادات سے مذکورہ باتوں کو ہم صحیح نتائج قرار دینے میں سو فیصد حق بجانب ہیں اس لیے کہ اسکی تصدیق و توثیق مستشرقین نے خود اپنی زبان سے کر دی ہے ایک امریکی مستشرق "مسٹر رابرٹ بان" کے بیان سے بھی ہوتی ہے وہ اپنی مشہور کتاب "مقدس تلوار" کے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں۔

"عربوں کو جاننے اور ان کے طور طریق کو سمجھنے کے ہمارے پاس کافی اور قوی اسباب موجود ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے پہلے وہ پوری دنیا پر اپنا تسلط و بالاتری قائم کر چکے ہیں، اب پھر دوبارہ وہ اس کی تیاری کر رہے ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دلوں میں جو آگ بھڑکائی تھی وہ اب بھی پوری طرح شعلہ زن ہے جو آئندہ بھی بجھنے والی نہیں" [1]

اس سے بھی زیادہ صراحت و وضاحت کے ساتھ "شہزادہ بیتانی" نے لکھا۔ اٹلی کے اسی شہزادہ نے اپنی جیب خاص سے فرزندان مسیح کے تین قافلے تیار کئے تاکہ وہ اسلام کے مختلف علاقوں کا دورہ کریں وہاں کے جغرافیائی حالات معلوم کریں۔ علاوہ ازیں انہوں نے سفرناموں اور رپورٹوں میں مذکور عالم اسلام کے حوادث و واقعات اور معلومات کو بھی ایک جگہ جمع کیا اور نو ۹ ضخیم جلدوں میں "حولیات اسلام" کے نام سے اس کا خلاصہ مرتب کیا جو چالیس ہجری تک کی اسلامی فتوحات کی تاریخ ہے۔ اس عظیم مہم کو سر انجام دینے کے لیے انہوں نے اپنا سارا اثاثہ لگا دیا اور غربت و افلاس سے دوچار ہوتے وہ اپنی اس کاوش کا مقصد بتاتے ہوئے "حولیات اسلام" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں ان کی یہ کوشش و کاوش صرف اس لیے ہے تاکہ اسلام کی موجودہ زبوں حالی کے اسرار و رموز تک رسائی ہو سکے، جس نے دنیا کے مختلف گوشوں میں دین مسیح کے لاکھوں پیروکاروں کو ہم سے چھین لیا ہے جس کے ماننے والے اب بھی محمد کے پیغام پر ایمان رکھتے ہیں اور انہیں رسول و نبی مانتے ہیں [2] گویا اسلام کے اسرار و رموز تک رسائی اور اس کی قوت و طاقت کے سرچشمہ کو معلوم کرنا ہی اٹلی کے اس شہزادہ کا اصلی مقصد تھا۔

اسی طرح ایک جرمن مستشرق "مسٹر پال شمتز" نے "اسلام مستقبل کی عالمی طاقت" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے اسلام اور عالم اسلام کی پوشیدہ طاقت و قوت کے عناصر کو پیش کیا، اس کتاب کی تالیف اور اپنی بحث و تحقیق کی غایت وہ یہ بتاتے ہیں "اسلام کا مقصد اس غافل یورپ کی چشم کشائی ہے جو ابھی تک اسلام کی اس قوت کا منہ سے بے خبر ہے جو یورپ کے لیے ایک سخت خطرہ ہے جس کے نعرے اب

---

[1] بحوالہ محمد قطب "مذاہب فکریہ معاصرہ" صفحہ ۵۹۷

[2] تراثنا فی الشرق والغرب مؤلفہ بنت الشاطی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب ہم اپنے ان مغرب زدہ بھائیوں کے سامنے مستشرقین کے ان اغراض و مقاصد کو آشکارا کرتے ہیں اور اس بات کی واضح شہادتیں پیش کرتے ہیں کہ یہ تحقیق، معروضیت اور علمی منہج و اسلوب کے منافی ہیں کہ آپ لوگوں کو یہ کیا ہو گیا ہے کہ گھسی پٹی پامال باتوں کے درپے ہیں، یہ سب باتیں انیسویں صدی بلکہ اس سے بھی پہلے کی ہیں جب استعمار کا بول بالا اور مشرق و مغرب کے درمیان کشمکش و آویزش برپا تھی لیکن بیسوی صدی کے آغاز ہی سے مستشرقین کی تحقیقات کے انداز و آہنگ بدل گئے اب ان کا کام خالص علمی طرز پہ ہونے لگا ہے اور ان کی بحث و تحقیق اسی رنگ میں رنگی ہوتی ہے، وہ صرف علم و معرفت کے دلدادہ اور علمی کاوش میں سرگرم عمل رہتے ہیں، اب اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن مجید، اسلامی تاریخ، اسلامی عقائد اور اسلامی تہذیب پر ان کے حملوں کا دور ختم ہو چکا ہے اور انہوں نے مخلصانہ علمی جد و جہد کو اپنا وطیرہ بنا لیا ہے۔

اس حد تک تو صحیح ہے کہ اب مستشرقین کی تحقیقات سب و شتم اور اسلام اور مسلمانوں کی تقبیح و تشنیع سے خالی ہوتی ہیں لیکن یہ خیال کرنا کہ اب وہ علمی نہج، غیر جانبدارانہ بحث و تحقیق اور خالص معروضی اصول و قواعد کے خوگر ہو گئے ہیں سراسر غلط ہے، پہلے ہی کی طرح اب بھی صحیح علمی نہج اور معروضی تحقیق کے التزام اور غیر جانبدارانہ انداز میں علم و فن کی خدمات انجام دینے سے وہ بہت دور ہیں اس کے متعدد اسباب ہیں جن کو آگے مناسب موقع پر بیان کیا جائے گا۔

اس سے پہلے بعض معاصر مستشرقین کے اقوال پیش کئے جا چکے ہیں جن سے اس خیال کی مکمل تردید ہوتی ہے ذیل میں ڈاکٹر جلبودر کا ایک بیان نقل کیا جاتا ہے وہ اپنی کتاب "تقدم التبشیر العالمی" (عالمی مشنری کا ارتقاء) مطبوعہ سنہ ۱۹۶۰ء میں لکھتے ہیں:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شمشیر اور قرآن ہمارے سب سے بڑے دشمن ہیں اور ہماری تہذیب و ثقافت نیز حق و حریت کے سب سے بڑے مخالف ہیں وہ شکست و ریخت اور تباہی و بربادی کے سب سے بڑے خطرناک عوامل ہیں.... قرآن حقائق و خرافات، حقیقت و افسانہ کا عجیب مجموعہ اور تاریخی اغلاط فاسدا وہام کا ایک معجون مرکب ہے، اس کے علاوہ وہ غامض، پیچیدہ اور ہماری سمجھ سے بالاتر ہے.. محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک مطلق العنان حاکم تھے، وہ عوام کے لیے بادشاہ کی خواہشات کی پیروی کو ضروری قرار دیتے تھے ان کے نزدیک بادشاہ جو چاہے کر سکتا ہے یہی وجہ ہے یہی وجہ ہے کہ وہ خود ہر اس شخص کی گردن اڑا دیتے تھے جو ان کی مرضی کے خلاف کام کرتا تھا ان کی فوج تسلط و اقتدار اور دہشت گردی کی عادی تھی جس کو اس کے رسول نے یہ ہدایت کی تھی کہ جو میری پیروی نہ کرے یا میری راہ سے روگردانی اختیار کرے اس کی گردن اڑا دے[۱]۔"

[۱] تطور الموقف العربی عن السیرۃ مولفہ عماد الدین خلیل ج ۱ ص ۱۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کے متعلق مستشرقین کی بے بضاعتی کا اندازہ نومسلم مستشرق "محمد اسد" (لیوپولڈ فائس) کی اس تحریر سے بھی کیا جاسکتا ہے وہ لکھتے ہیں:

"اسلام کے متعلق یورپین حضرات کا موقف صرف ناپسندیدگی و بے پروائی تک ہی محدود نہیں ہے جیساکہ دوسرے مذاہب وادیان سے ان کا سلوک ہے بلکہ اسلام کی دشمنی وناپسندیدگی ان کی رگ وجان میں پیوست ہے، جو اکثر اوقات شدید تعصب کا رنگ اختیار کرلیتی ہے، دراصل ان کی کراہت وعداوت محض عقلی نہیں بلکہ شدید طرح کی جذباتی بھی ہے"

حقیقت یہ ہے کہ اہل مغرب اسلام کا نام سنتے ہی اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتے ہیں اور شدید قسم کے جذباتی ہیجان میں مبتلا ہوجاتے ہیں اسی لیے مشہور و ممتاز مستشرقین بھی اس بارے میں غیر جانبداری پر قائم نہیں رہ سکے ہیں۔ انکی نظر میں پہلے ہی سے اسلام کی حیثیت ایک مجرم کی ہوتی ہے جس کے جرائم کو ثابت کرنے کے لیے بعض لوگ مدعی بن جاتے ہیں اور کچھ لوگ وکیلوں کی طرح اس کا دفاع بھی کرتے ہیں جو اپنے موکل پر اطمینان کے باوجود شخصی طور پر استخفاف کرتے ہیں چنانچہ محمد اسد رقمطراز ہیں "مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے علاوہ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے ساتھ مغربی مطالعہ نے یہ غیر منصفانہ سلوک روا رکھا ہے، لہٰذا اسلام پر جب وہ لکھنے پر آتے ہیں تو موروثی تحقیر و تذلیل کا جذبہ غیر معقول گروہی شکل میں ان کے علمی و تحقیقی کاموں میں سرایت کرنے لگتا ہے، یورپ اور عالم اسلام کے مابین تاریخ نے جو خلیج کھود دی ہے اس پر اب تک کوئی پل تیار نہیں کیا جاسکا ہے اور اب تو اسلام کی تحقیر و تذلیل یورپین فکر وسوچ کا اساسی جزء بن چکی ہے۔

ابتدائی مراحل میں مستشرقین عیسائی مشنری کی حیثیت سے عالم اسلام کو اپنی جولان گاہ بنائے ہوئے تھے، اور انھوں نے اس وقت اسلامی تعلیمات اور اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے کا کام ایک منصوبہ بند سکیم کے تحت انجام دیا لیکن بعد میں استشراقی تحریک مشنریوں کے پنجہ سے آزاد ہوگئی لہٰذا اب ان کی عصبیت اور غیر جانبداری کے لیے کسی طرح کا عذر پیش کرنا مناسب نہیں ہے۔

مذہب اسلام پر مستشرقین کا حملہ اور طعن وتشنیع انکی ایسی موروثی خو اور فطری عادت ہے جس میں تبدیلی نہیں آسکتی، پھر یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے کہ مستشرقین کے مطالعات وتحقیقات میں اب تبدیلی آگئی ہے۔

مستشرقین کے اصلی مخاطب

ہمارے اندازے کے مطابق مستشرقین کی اس ساری کدوکاوش اور بحث و تحقیق کا منشا یہ ہے کہ وہ اہل مغرب اور مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کے بارے میں ہر وقت اس اندیشہ وتشویش میں مبتلا رہتے ہیں کہ اسلام کی اثر پذیری کی وجہ سے یہ لوگ اس کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے اس لیے مستشرقین اسلام کے اثر و رسوخ کو ختم کرنے کے لیے اسے مسخ شدہ اور بدنما شکل میں پیش کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں، تاکہ مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کے دل و دماغ میں اسلام کے متعلق بے اطمینانی اور الجھاؤ کی کیفیت باقی رہے۔ یورپ کے صلیب پرستوں اور مستشرقین کو یہ خطرہ برابر لاحق رہتا ہے کہ اسلام کی جگمگاتی روشنی یورپ کے مسیحیوں کے تاریک دلوں کو روشن کر دے گی جس طرح وہ اس سے پہلے مصر، شام، شمالی افریقہ اور اندلس کے ظلمت پسندوں کے دلوں کو روشن کر چکی ہے ان تمام ملکوں کے مسیحیوں نے خوشی خوشی اپنی مرضی سے اسلام قبول کیا، قرآن مجید کی زبان اپنائی اور اس کے علم کو بلند رکھنے کے لیے اس کے دشمنوں سے جہاد کیا۔

یورپ کے مسیحیوں کی طرح کلیسا کے احبار و رہبان کو بھی ہر وقت اس کا کھٹکا لگا ہوا ہے کہ اسلام کا نور ہمیں ظلمت کدہ یورپ میں نہ پہنچ جائے اور کلیسا کی تاریکیوں کو روشنی میں تبدیل کر کے اس کی حکمرانی کو پاش پاش نہ کر دے۔ جس کے نتیجہ میں اصحاب کلیسا کی فتوحات و غنائم کے سارے دروازے بند ہو جائیں، اسی غرض سے مستشرقین نے جو کلیسا کی بولتی ہوئی زبان ہیں اس طرح کی بحث و تحقیق کو اپنا شعار بنا لیا ہے تاکہ لوگوں کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ دیں جس کے بعد اسلام کی صحیح شکل و صورت ہی ان کو نظر نہ آئے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے اپنی تحریروں سے ابتدائی مرحلہ میں اسلام پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسلمانوں کے نظام زندگی و معاشرت کے بارے میں دروغ گوئی و افترا پردازی سے کام لیا اور سب و شتم کی زبان اختیار کی لیکن بعد میں حالات کا رخ دیکھ کر اپنا انداز و اسلوب بدل دیا۔ شروع میں ان کی تحریروں اور تحقیقات کا انداز سادہ اور سپاٹ ہوتا تھا لیکن بعد میں انہوں نے ان کو بڑے سلیقہ سے مرتب و مبوب کر کے تحقیق و استدلال کے رنگ و روغن سے انہیں مزین کر کے پیش کیا، ان میں گہرائی و گیرائی پیدا کی اور ان پر تحقیق و معروضیت کا لبادہ اوڑھا دیا، لیکن اس طرح کی ملمع کاری وغیرہ کے باوجود انہوں نے اپنے اغراض و مقاصد کو اوجھل نہیں ہونے دیا۔ ہمیشہ اپنی اس خصوصیت کو باقی رکھا کہ اسلام کے اثر و رسوخ سے یورپ پوری طرح محفوظ رہے۔

اس ظاہری تبدیلی کو دیکھ کر مسلمانوں کو یہ خیال ہونے لگا کہ اب مستشرقین نے گالی گلوچ اور سب و شتم ترک کر دیا ہے، ان میں خوشگوار تبدیلی آگئی ہے، ان کی نیت نیک اور مقصد اچھا ہوتا ہے، ان کے دل اسلام اور مسلمانوں کی پرانی دشمنی و عداوت سے پاک ہو گئے ہیں، اب وہ انصاف و اعتدال کی راہ پر گامزن ہو گئے ہیں اور انہوں نے علمیت و معروضیت کو اپنا لیا ہے، حالانکہ صرف ان کا انداز و آہنگ بدلا ہے نہ ان میں علمیت آئی ہے نہ معروضیت اور نہ انہوں نے اعتدال کی روش اختیار کی ہے، اسلوب بیان کی یہ تبدیلی محض حالات و تجربات کی بنیاد پر اختیار کی گئی ہے جو خود یورپی مسیحیوں کے ترقی یافتہ ذہن و دماغ کو مطمئن کرنے کے لیے ضروری تھی کیونکہ ان کی تحریروں کے اصل مخاطب وہی ہیں۔

جب ناواقفیت و جہالت کا زمانہ تھا اور لوگ سیدھے سادے تھے تو برا بھلا کہنے سے کام چل سکتا تھا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لیے مستشرقین نے اپنے ابتدائی مراحل میں ایسا ہی کیا اور اسلام اور پیغمبر اسلام کو سب و شتم کا نشانہ بنایا، لیکن موجودہ زمانہ علم و معرفت اور روشن خیالی کا ہے، اب اسلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے متعلق یورپ والوں کی معلومات میں بڑا اضافہ ہو گیا ہے اس لیے ان ترقی یافتہ لوگوں کے ذہن و دماغ کو مطمئن کرنے کیلئے انداز تحقیق و اسلوب تحریر کو بدلنا ناگزیر ہو گیا تھا اس لیے مستشرقین اس کے لیے مجبور رہو گئے موجودہ دور کے ایک مشہور مستشرق ماؤنٹگمری واٹ کا بیان ہے :

"دنیا کے عظیم لوگوں میں سب سے زیادہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تنقید و ملامت کا ہدف بنایا گیا ہے اس کی وجہ کو سمجھنا بہت دشوار و مشکل ہے[۱]، اصل بات یہ ہے کہ صدیوں تک اسلام مسیحیت کا سب سے بڑا حریف و دشمن رہا ہے[۲] لیکن مسیحیت کو کبھی بھی اسلام کی قوت و طاقت کا مقابلہ کرنے کا براہ راست یارا نہ ہوا، مصر و شام اور ایشیائے کوچک کے بہت سے علاقے اس کے ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد بیزنطینی امپائر پر حملہ کیا گیا اور ہسپانیہ و صقلیہ اور مغربی یورپ پر بھی خطرات کے بادل منڈلانے لگے"۔

اس جھوٹے پروپیگنڈہ کی وجہ سے قرون وسطیٰ اور اس کے بعد کے زمانہ میں مغربی دل و دماغ کے اندر اسلام کی عداوت و نفرت کی طرح مستحکم ہو گئی، گو اس پروپیگنڈہ کی کوئی حقیقت نہیں تھی تاہم یہ اپنا کام کرتا رہا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "امیر الظلمات" کہا گیا، جب گیارہویں صدی کا زمانہ آیا تو اسلام اور مسلمانوں کے متعلق صلیبیوں کے دماغ میں جو باطل اور خرافات پر مبنی افکار و تصورات بس گئے تھے انہوں نے برگ و بار لانا اور اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا جس کے نہایت عجیب و غریب اور افسوسناک اثرات ظاہر ہوتے۔ صلیبیوں کو متنبہ کیا گیا تھا کہ وہ دشمنوں سے بدترین معاملہ کے لیے تیار رہیں، لیکن جب انہوں نے دشمنوں کو عموماً شجاع، جوانمرد اور دلیر پایا تو مسیحی اپنی دینی قیادت کی طرف سے شک و شبہ میں پڑ گئے، اسی شک کو دور کرنے کے لیے مسیحی پادری پطرس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے دین کے بارے میں زیادہ صحیح معلومات فراہم کرنا پڑا اور زبان و بیان کے انداز کو بدلنا پڑا۔ گذشتہ دو صدیوں میں اس سلسلہ میں نمایاں تبدیلی آئی ہے، اگرچہ اب بھی ان کے ذہن و دماغ اوہام و خرافات سے پر ہیں[۳]۔ اس تبدیلی کے اسباب خود مستشرق موصوف کی زبانی سنئے وہ کہتا ہے :

---

[۱] موصوف اگر "دشوار و مشکل" کی جگہ "آسان" کہتے تو حقیقت سے زیادہ قریب بات ہوتی۔

[۲] اسلام کبھی بھی مسیحیت کا دشمن نہیں رہا، اگر وہ دشمن ہے تو صرف صلیبیت اور اس کے انتقامی جذبہ کا جس کی آگ اب تک اسلام کی رواداری اور سماحت کے باوجود صلیبیوں کے دلوں میں بھڑک رہی ہے۔

[۳] ماؤنٹگمری واٹ، محمد ان مدینہ ۱۹۳ - ۱۹۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"صلیبیوں کو جب اپنے دشمنوں (مسلمانوں) میں اکثر لوگ بہادر و جانباز نظر آئے تو ان کے دلوں میں مسیحی دینی قیادت کی طرف سے شبہات پیدا ہونے لگے کیونکہ یورپی مسیحیوں نے صلیبی جنگوں کے دوران میں مسلمانوں کی وہ تصویر دیکھی جو ان کے پادریوں کی دکھائی ہوئی تصویر سے یکسر مختلف تھی، اس صورتحال کو دیکھنے کے بعد پادری پطرس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے لائے ہوئے دین کے متعلق زیادہ صحیح معلومات بہم پہنچانے کی ضرورت پڑی تاکہ یہ شک و شبہ زیادہ سنگین صورت اختیار نہ کر سکے"۔

ان سب کے بعد بھی کیا مستشرقین کی بحث و تحقیق کو معروضی اور غیر جانبدارانہ یا انہیں نیک نیت اور مخلص قرار دیا جا سکتا ہے۔

مستشرقین ہمارے لیے نہیں لکھتے

اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ استشراق کا اصل رخ اہل یورپ کی جانب ہے، مستشرقین کبھی اس خوش فہمی میں نہیں مبتلا ہوتے کہ ان کی بحث و تحقیق سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا یا وہ حوالہ و مرجع کا کام دیں گی۔

دنیا کی طویل تاریخ میں ایسا کہیں نظر نہیں آتا کہ کسی قوم و ملت کے علم و فن، تہذیب و تاریخ، تمدن و معاشرت اور دین و شریعت کے معاملہ میں غیر قوموں کے لوگوں کو مستند و مرجع بنایا گیا ہے کسی غیر انگریز یا غیر جرمن شخص کو چاہے وہ علم و ادب کی کتنی ہی بلندی پر کیوں نہ فائز ہو، انگریزی زبان و ادب اور انگریزوں کی تہذیب و تاریخ اور ان کے معاشرتی و دینی مسائل کے بارے میں حجت سمجھا گیا ہو۔ لیکن دنیا کا یہ عجیب و غریب واقعہ مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے اور خود مسلمان بھی اپنے مسائل و معاملات کے سلسلہ میں مستشرقین کو حجت و معتبر بنانے لگے ہیں[1] چنانچہ علم و اسلام کے ایک مرکزی ادارہ "جامع ازہر" کے کلیۂ شریعت کے ایک لائق استاد اپنے درس کا آغاز اس طرح کرتے ہیں۔

آج ہم "تاریخ التشریع الاسلامی" کے موضوع پر خالص علمی انداز کا ایسا درس دیں گے جس طرح کا درس جامعہ ازہر میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیا گیا، مجھے یہ اعتراف کرنے میں کسی قسم کا کوئی تردد نہیں ہے کہ میں نے جامعہ ازہر میں تقریباً ۱۴ سال تعلیم پائی، لیکن اس لمبی مدت میں اسلام کو سمجھ نہیں سکا میں نے صحیح معنی میں اسلام کو جرمنی میں پڑھنے کے زمانہ میں سمجھا[2] فاضل موصوف نے جب حدیث و سنت کی تاریخ پر درس دینا شروع کیا تو اپنے سامنے میز پر رکھی ہوئی ایک ضخیم کتاب کا حرف بحرف ترجمہ پیش کرنا شروع کر دیا، جو گولڈ زیہر کی لکھی ہوئی "دراسات اسلامیہ" تھی موصوف اس کی عبارتیں پڑھ کر کہتے جاتے تھے کہ "یہ خالص علمی حقائق ہیں"۔

---

[1] محمود محمد شاکر "المتنبی" [2] یہ شیخ علی حسن عبدالقادر کا واقعہ ہے، مگر انہوں نے اب مستشرقین کے سلسلہ میں اپنی اس رائے سے رجوع کر لیا ہے جس کی تفصیل ان کی کتاب "نظرۃ عامۃ فی تاریخ الفقہ الاسلامی" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دنیا کی دوسری قوموں میں جو بات ناممکن تھی وہ ہمارے یہاں ممکن ہی نہیں واقعہ بنی ہوئی ہے، ہمارے اندر یونانی ادب، فرانسیسی ادب اور انگریزی ادب کے بڑے بڑے ماہرین پیدا ہوتے، لیکن اگر یہ حضرات ان زبانوں اور ان قوموں کے عقائد اور تاریخ و معاشرت کے بارے میں کچھ لکھیں تو اسے کبھی بھی مستند مرجع و مصدر کی حیثیت حاصل نہیں ہوگی، اس طرح اگر ہمارے مربی قوم[1]، اور عربی ادب کے استاذ کل[2] یونانی تاریخ یا فرانسیسی ادبیات پر کچھ خامہ فرسائی کریں تو وہاں کے لوگ کبھی بھی انہیں اپنے مرجع و مصادر کی فہرست میں جگہ نہیں دیں گے اور نہ وہ ان پر اس طرح کا اعتماد کریں گے جس طرح کا اعتماد وہ اپنے علماء و محققین پر کرتے ہیں۔

یہ دراصل مسلمانوں کی پستی و انحطاط کا نتیجہ ہے کہ تہی مایہ مستشرقین ہمارے علم و ادب اور مذہب و تمدن کے بارے میں کچھ الٹا سیدھا لکھ دیتے ہیں وہ اسے سر آنکھوں پر جگہ دیتے ہیں اور انہیں اپنے اداروں اور اکیڈمیوں کا ممبر بنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں[3]

ایک دفعہ تیمور پاشا نے علامہ محمود شاکر کو رسالہ "الجمعیہ المکتبۃ الاسیویۃ" کے جون ۱۹۲۵ء شمارہ اس غرض سے دیا کہ وہ اس میں مارگولیتھ کے مقالہ کو پڑھ کر اس کے متعلق اپنے تاثرات سے انہیں آگاہ کریں، شاکر صاحب اس وقت یونیورسٹی کے ایک نوجوان طالب علم تھے انہوں نے بتایا کہ مقالہ نگار بے حس و تہی دست عجمی ہے اس نے اپنی عادت کے مطابق اس مقالہ میں بڑی بے حیائی سے کام لیا ہے یہ سن کر تیمور پاشا مسکرائے اور خوشی کا اظہار کیا، شاکر صاحب نے مزید کہا کہ "یہ عجمی جتنی عربی جانتا ہے اس سے کہیں زیادہ میں انگریزی سے واقف ہوں، بلکہ وہ آخری عمر اور مرتے دم تک جتنی عربی سیکھ سکتا ہے اس سے کئی گنا زیادہ میں انگریزی شعر و ادب سے واقف ہوں اور انگریزی شعر و ادب کے نشو و نما سے لیکر اب تک کے تمام ادبی مجموعوں کو نقد و جرح کا نشانہ بنایا جا سکتا ہوں۔ لیکن میں دوسروں کی زبان و ادب سے کھیلنا پسند نہیں کرتا، یہ گردش روزگار کیسا عبرتناک واقعہ ہے کہ آج ہمارے شعر و ادب پر ایک تہی دست عجمی اس طرح رائے زنی کر رہا ہے۔

استشراق و مستشرقین کے سلسلہ میں ہماری سب سے بڑی مصیبت یہی الٹی صورت حال ہے کہ مسلمان ان تحقیقات پر اعتماد کرنے لگے ہیں جو ان کے بجائے اصلاً مغربی تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے لکھی گئی تھیں، اس سے بھی زیادہ سنگین مسئلہ اور عجیب و غریب صورتحال یہ ہے کہ آج ہم انہی کو اپنا قابل اعتماد استاد و معلم مانتے ہیں، ان کے زانوئے تلمذ تہ کرتے ہیں، اپنی تاریخ اور اپنی زبان و ادب کا درس لیتے ہیں اور اپنے معاشرتی مسائل میں ان سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اس عجیب و غریب صورت حال کی کتنی اچھی تصویر کشی ایک معاصر مرحوم

---

[1] احمد لطفی السید [2] ڈاکٹر طہ حسین [3] یہ الفاظ استاد محمود شاکر صاحب نے اس وقت کہے تھے جب ان سے احمد تیمور نے "مارگولیتھ" کے بارے میں سوال کیا تھا۔

باقی صفحہ ۴۶ پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

© rasailojaraid.com